مبصر: ڈاکٹر طالب حسین سیال

''نرالے لوگ'' (جیون خان): ایک مطالعہ

نہ جانے اِس کرۂ ارض پر بنی نوع انسان کا کب سے بسیرا ہے۔ اب تو دنیا کی آبادی سات ارب نفوس سے بھی بڑھ گئی ہے۔ کرۂ ارض کی بناوٹ، اِس کے خدوخال اور جغرافیائی منطقوں اور موسموں کے حالات و کوائف حیران کن حد تک مختلف ہیں۔ حکایت ہستی میں بنی نوع انسان کے کردار نے ثقافتی ارتقا کی تاریخ کو اِس قدر دل ربا اور بوقلموں بنا دیا ہے کہ ہر انسان اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کا خواہش مند نظر آتا ہے۔ لوگوں کے رنگ و روپ، ناک نقشہ، زبان و بیان، خوردونوش کے ذوق، لباس کی وضع قطع میں تنوع اور بوقلمونی کے باوجود مختلف تمدنوں اور تہذیبوں میں کئی اقدار مشترک ہیں۔ سماجی و سائنسی علوم کا ارتقا سب اقوام کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مختلف خطوں اور تمدنوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے ایک دوسرے کی معلومات، تجربات اور علمی دریافتوں سے استفادہ کیا ہے۔ اِس کرۂ ارض پر کئی حوادث، واقعات اور سانحات گزرے ہیں لیکن تاریخِ انسانی شاندار کارناموں اور اعلیٰ مقاصد کے لیے عظیم قربانیوں سے بھی مزیّن نظر آتی ہے

اس کرۂ ارض پر آسمانی و زمینی آفات یعنی سیلابوں، بیماریوں اور زلزلوں کی شکل میں آتی رہی ہیں اور آتی رہیں گی۔ خود انسانوں کے ہاتھوں تباہی اور ہلاکتوں کے بازار بھی گرم رہے۔ بیسویں صدی میں یہ خوش فہمی پیدا ہوگئی تھی کہ انسان مہذب اور معقولیت پسند ہوگیا ہے اِس لیے وہ جنگوں سے باز رہے گا پہلی جنگِ عظیم اور دوسری جنگِ عظیم میں کروڑوں انسان صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ ان جنگوں کی تباہ کاریوں نے ماضی کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔ یورپ میں یاسیت اور لامقصدیت عام ہوگئی لیکن بقائے حیات کی خُو اور امید و رجا نے نئی دنیا تخلیق کر دی۔ لیکن ان جنگوں کے بعد سائنسی علوم اور سماجی علوم میں محیر العقول ترقی ہوئی۔ جدید شہر بسائے گئے۔ سائنسی سہولیات نے زندگی کو پُرآسائش بنا دیا اور مواصلات میں غیر معمولی ترقی سے آج دُنیا ایک گلوبل ویلج کا روپ دھار گئی ہے۔ اکیسویں صدی کا دوسرا عشرہ شروع ہوگیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گذشتہ دس سالوں سے علوم کی ترقی کی رفتار کئی گُنا بڑھ گئی ہے۔ مطالعہ تاریخ اِس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ تخریبی اور خون آشام سرگرمیوں کے باوجود کرۂ ارض پر تعمیری قوّتیں غالب رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی زندگی بقا اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ کرۂ ارض کی تعمیری قوتوں میں چند انسانوں کا کردار فیصلہ کُن رہا ہے جن میں کچھ ایسے مشاہیر ہیں جنہوں نے تاریخ کے دھارے کو بدل دیا ہے اور کچھ ایسے غیر معروف لوگ ہیں جنہوں نے چُپکے چُپکے مقامی اور قومی سطح پر ایسی ایسی خدمات سرانجام دی ہیں جن کی وجہ سے انسانی معاشروں میں نیکی اور سنوار کی روایت زندہ رہی ہے۔ یہی انسان تو عظیم ہیں جو خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار رہتے ہیں۔ یہ لوگ قافلہ انسانیت کو مایوسی اور افسردگی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے امید و رجا کے اُجالوں میں لے جاتے ہیں۔ اس قسم کے تاریخ ساز اور بنی نوع انسان کے محسن لوگ ہر دور میں اور ہر قوم میں رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں۔ ایسے لوگوں کی زندگیوں کے حالات پڑھنے سے قاری میں کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے انسان کی خیر و خوبی کی صلاحیتوں پر اعتماد پختہ ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کا وجود انسان کی فطری عظمت کی دلیل بن جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے حالات پڑھنے والوں میں بھی جوش و جذبہ پیدا ہوسکتا ہے اور وہ بنی نوع انسان کے لیے مفید بننے کی کوشش کرتے ہیں۔

جیون خان نے بھی اپنے عہد کے چند ایسے لوگوں کو متعارف کرانے کی سعی کی ہے۔ اُن میں سے اکثر وہ ہیں جو عالمی شہرت رکھتے ہیں جبکہ کئی اپنے ملک کی سطح پر خوب جانے پہچانے جاتے ہیں اور کچھ شخصیتیں ایسی بھی ہیں جن کی شہرت کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں

لیکن اُن کی انسانی خوبیاں نمایاں ہیں۔ اُن کی بے لوثی اور خدمتِ خلق کی روش نے جیون خان کو اتنا متاثر کیا ہے کہ اُنہوں نے ان لوگوں کو عالمی سطح پر نرالے لوگوں کی صف میں شامل کیا ہے۔ ان نرالے لوگوں کی فہرست میں دو تین ایسی ہستیاں بھی شامل ہیں جو شہرت اور کارناموں کے لحاظ سے نمایاں نہیں لیکن جن کا اسلوبِ حیات یا زندگی گزارنے کا ڈھب نرالا ہے وہ اپنے اردگرد کے لوگوں سے الگ تھلگ نظر آتے ہیں۔ وہ ایک وکھری ٹائپ کے انسان ہیں۔ یہ دو ملنگ بابے ہیں۔ جیون خان بچپن اور لڑکپن میں اُن کی زندگیوں کا حیرت اور شوق سے مطالعہ کرتے رہے ہیں اور اپنے تاثرات کی تعبیر اب کی ہے جب وہ خود زندگی کے گونا گوں تجربات و مشاہدات سے گزر چکے ہیں۔ اِس لئے اُن کے تاثرات میں حقیقت پسندی اور انسانی فطرت کا گہرا مشاہدہ مضمر ہے۔

جیون خان نے اپنی کتاب کا آغاز ''میاں جی'' کے کردار سے کیا ہے۔ میاں جی بنیادی طور پر اُن کے گاؤں کے رہنے والے نہیں تھے۔ اِس لیے گاؤں میں اُن کی کسی سے رشتہ داری نہ تھی۔ وہ اتفاقاً اُن کے گاؤں میں آباد ہو گئے۔ وہ مادر زاد نابینا تھے اور حافظ قرآن تھے۔ میاں جی نے شادی نہ کی اور ساری عمر قرآن پڑھنے پڑھانے میں گزار دی۔ سارا وقت مسجد میں گزرتا۔ امامت بھی کراتے۔ گاؤں میں مقبول ترین شخصیت تھے۔ میاں جی کی آخری آرام گاہ پر گاؤں والوں نے مقبرہ تعمیر کر دیا ہے۔ وہ اپنے مسائل اور مشکلات کے حل کے لیے اب بھی میاں جی کی قبر سے رجوع کرتے ہیں۔

جیون خان نے اپنے دو پسندیدہ اساتذہ کو بھی نرالے لوگوں میں شامل کیا ہے۔ ایک اُن کے گاؤں کے مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر غلام حسین تھے اور دوسرے اُستاد رضوی صاحب تھے جو اُن کو گورنمنٹ کالج لائل پور (فیصل آباد) میں انگریزی پڑھاتے تھے۔ یہ دونوں اساتذہ انسانی خوبیوں سے مالا مال تھے۔ تدریس کے شعبہ سے اُن کو عشق تھا اور طلبہ کی پڑھائی اور کردار سازی پر بھرپور توجہ دیتے تھے۔ یہ دونوں ٹیچرز اُس دور کی وضع داری اور علم دوستی کے نمائندے ہیں۔ ایسے بے لوث اساتذہ جو تدریس و تعلیم کے پیشے کو مقدس سمجھتے ہیں آج کل خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ جیون خان نے گورنمنٹ کالج لاہور کے معروف اور ہر دل عزیز پرنسپل ڈاکٹر نذیر احمد کی بھی ایک جھلک پیش کی ہے۔ علاوہ ازیں جیون خان نے اپنے دو سٹینو صاحبان کی کردار نگاری اس قدر دل چسپ اور خوبصورت انداز میں کی ہے کہ اُن کے خاکے پڑھ کر قاری بالخصوص سرکاری ملازمت سے وابستہ قاری نہایت محظوظ ہوتا ہے اور اپنے گزرے ہوئے ایام کا عکس دیکھتا ہے۔

جیون خان نے پاکستان کی معروف شخصیات میں سے بھی چند ایک کا انتخاب کیا ہے۔ اُن کی تعداد چودہ پندرہ بنتی ہے۔ پیشہ کے لحاظ سے اُن میں زیادہ تر بیوروکریٹ تھے لیکن وہ زیادہ نمایاں سکالرز اور سوشل ورکرز کی حیثیت سے ہوئے۔ شاید ایک دو سیاست دانوں پر بھی نگاہ انتخاب پڑی ہے جن میں غلام حیدر وائیں صاحب کا نام سرِفہرست ہے۔ اس کے بعد جیون خان نے بین الاقوامی شہرت رکھنے والی نرالی شخصیات کی سوانح حیات سے اپنی دل کش اور پُر معانی تحریر کو آفاقیت عطا کی ہے۔

ان لوگوں کی شخصیتوں کے خدوخال اور ان کے لازوال کارناموں کے احوال بیان کرنے سے پہلے جیون خان اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ''کئی ایک تو حال مست تھے اُنہیں دنیا والوں سے غرض نہیں تھی۔ نہ حرص و ہوا نے دامن دل کھینچا تھا نہ ہوس نے سبز باغ دکھائے تھے......وہ زندگی میں کامیاب رہے اور کئی ایک کے سروں پر سرخاب کے پَر تو کیا کلغیاں اور تاج سجے تھے......افلاس، جہالت، ناانصافی اور ظلم کے خلاف یقین محکم اور عمل پیہم کے ساتھ تگ و دو کی تھی۔ کچھ کامیاب ہوئے۔ کئی ناکام رہے مگر ہمت نہیں ہاری۔ قربانیاں دینے سے دریغ نہیں کیا اور یوں ہار کر بھی جیت گئے...... یہ خوش نصیب لوگ نئی تاریخ رقم کرتے ہیں...... اگرچہ کئی ایک شاید فرشتوں سے بھی اچھے ہوں۔ کئی دنیا دار تھے۔ سبھی دھن

دولت سے بے نیاز بھی نہیں تھے۔۔۔۔۔ چمار کی بیٹی کا ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست اتر پردیش کا وزیرِ اعلیٰ بن جانا اگر انوکھا پن نہیں تو کیا ہے۔۔۔۔۔اگر من موہن سنگھ ضلع چکوال کے گاہا گاؤں سے چل کر وزیرِاعظم ہند بن سکتا ہے۔ بچپن میں لوگوں کے جوتے پالش کرنے والا لولا جنوبی امریکہ کے سب سے بڑے ملک برازیل کا ہر دل عزیز صدر بن سکتا ہے۔ اگر احمدی نژاد اور ایوو مارلیز غریب والدین کے ہاں جنم لینے کے باوجود ایران اور بولیویا کے صدر بن سکتے ہیں تو کیا کچھ نہیں ہوسکتا۔‘‘

پاکستانی نرالے لوگ وہ ہیں جن کو جیون خان بخوبی جانتے پہچانتے ہیں۔ اُن میں سے اکثر کے ساتھ اُن کی دوستی کا رشتہ بھی ہے لیکن اُن میں سے ایک بھی اُن کا رشتہ دار نہیں ہے۔ عالمی شہرت رکھنے والے جن نرالے لوگوں کو منتخب کیا ہے اُن میں سے اکثریت نے سیاست، نظم و نسق، معاشیات و مالیاتی ڈسپلن اور خدمتِ خلق کے شعبوں میں گراں قدر خدمات سرانجام دے کر نام کمایا ہے۔ ان میں سے اکثر نیچے سے اوپر چڑھے ہیں۔ اُن کے عروج میں اتفاقات سے زیادہ اُن کی عزیمت، محنت اور خلوص کا کردار ہے۔ ہاں کچھ ایسے بھی ہیں جن کو بامِ شہرت سے ہمکنار کرنے کے لیے تقدیر نے عجیب کھیل کھیلے۔ اُن کو اِس لیے آزمائشوں سے گزارا گیا اور اُن پر قہرمانیاں اِس لیے تھیں کہ وہ بے شمار مہربانیوں سے نوازے جانے والے تھے۔ مصائب اور دکھوں کی بھٹی سے کندن بننے والے تھے۔

جیون خان کی کتاب کا پیغام اور آہنگ عالم گیر اور آفاقی ہے۔ وہ سچے اور کھرے مسلمان ہیں لیکن اُن کا مذہب اُنہیں کسی سے بیر رکھنا نہیں سکھاتا۔ وہ بلاتفریق مذہب و رنگ اور نسل و علاقہ انسانی قدروں کے قائل اور انسانی کمالات کے گرویدہ ہیں۔ وہ فطرت کے ساز سے ہم آہنگ ہیں۔ انسانوں سے محبت کرنے والا فاضل مصنف خیروخوبی کا متوالا ہے اور وہ اپنی کتاب سے خیروخوبی اور حُسن و جمال کے پیغام کی اشاعت چاہتا ہے۔ جو کوئی بھی یہ کتاب پڑھے گا اُس میں خیروخوبی کا جذبہ جاگے گا۔ فطرت کی تعمیری اور مثبت قوتوں پر اعتماد میں اضافہ ہوگا۔ ہر صفحہ پڑھنے کے بعد قاری کو احساس ہوگا کہ دنیا اچھے انسانوں سے خالی نہیں ہے۔ اولادِ آدم میں کرشماتی شخصیتیں بھی ہیں جن کا حرص و آز اور فریب و دغا بازی سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ وہ ترغیباتِ نفس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ایسے انسان واقعی قابلِ رشک اور قابلِ تقلید ہیں۔ اُن کے سوانحِ حیات پڑھنے سے قاری میں جوش و جذبے کے ساتھ ساتھ خیروخوبی سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

کتاب میں بیان کیے گئے واقعات کے علاوہ اس کی زبان اور بیان میں بھی بے پناہ کشش اور جاذبیت ہے۔ آسان، عام فہم اور خوش آہنگ الفاظ پر مشتمل چھوٹے چھوٹے فقرے ہیں جو نہایت شُستہ، برجستہ اور پُرتاثیر ہیں۔ ہندی اور پنجابی الفاظ اور محاورات نے کتاب کی چاشنی کو دوبالا کر دیا ہے۔ کتاب میں کہیں بھی اغلاق اور ابہام محسوس نہیں ہوتا۔ زبان و بیان اِس قدر رواں اور پر زور ہے کہ قاری اُس کی روانی میں بہتا چلا جاتا ہے اور حقائق کی تاثیر خوشبو کی طرح دھیرے دھیرے اُس کے دل و دماغ کو معطر کرتی چلی جاتی ہے۔ وہ ایک عجیب کیف و نشاط سے سرشار ہو جاتا ہے عمیق خیالات بھی کسی ذہنی مشقت کے بغیر اُس کی فکر کا حصہ بنتے چلے جاتے ہیں۔

اِس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ جیون خاں نے جن نرالے لوگوں کے بارے میں لکھا ہے اُن کا تعلق عہدِ حاضر سے ہے۔ وہ بیسویں صدی کے آخر نصف اور اکیسویں صدی کے اوائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہر پڑھا لکھا شخص اِن شخصیات کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتا ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے اُس میں کسی افسانے یا مبالغے کی گنجائش نہیں ہے۔ سب معتبر اور حدِ تواتر تک صحیح باتیں ہیں۔ یہ اِس قدر عیاں ہیں کہ مصنف نے ان کے حوالے دینے اور مصادر بتانے کی ضرورت بھی محسوس

نہیں کی۔ حوالوں کی تفصیلات سے کتاب بوجھل ہو جاتی ہے جس سے تسلسل خیال متاثر ہوسکتا ہے۔ مصنف نے یہ کتاب کیوں لکھی؟ اُنھوں نے حرفِ آغاز میں لکھا ہے کہ اُن کا جی چاہا کہ ان نرالے لوگوں کو سلام پیش کیا جائے۔ میں فاضل مصنف کو ذاتی طور پر کئی عشروں سے جانتا ہوں۔ وہ ایک فعال، دیانت دار، سخت جاں اور بااثر بیوروکریٹ رہے ہیں۔ اس حیثیت سے پورے ملک میں اُن کی پہچان ہے۔ سول سروس میں سخت جان اور مضبوط اعصاب کے افسر کی شہرت رکھنے والے جیون خان ایک نرم دل اور سوز و گداز سے معمور ادیب اور معلم بھی ہیں۔ اُن کی شخصیت کا یہ پہلو اُن کے ادبی شہ پاروں سے نمایاں ہے وہ علم و ادب کے رسیا باہمت انسان ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ نونہالان وطن بھی حصولِ علم کے لیے پُرعزم ہوں اور اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے باہمت ہوں۔ انھوں نے باہمت اور کامیاب انسانوں کی تصویر کشی کر کے ایک عمدہ کتاب تخلیق کی ہے۔ نرالے لوگوں کے انتخاب میں اگرچہ جیون خان کا اپنا میلان طبع اور ذاتی پسند کا دخل ہے اور خاکہ نگاری میں یہی اصول کارفرما ہوتا ہے۔ ممتاز مفتی نے ''اوکھے لوگ'' اور ''اوکھے لوگ'' میں اپنے دوستوں اور جاننے والوں کے بارے میں لکھا ہے۔ جیون خان نے خاکہ نگاری میں معروضی طریق اختیار کیا ہے۔ بلاکم و کاست واقعات کو سادگی سے بیان کر دیا ہے۔ اُن کی کتاب صرف پاکستان کی آئینہ دار نہیں بلکہ عالمی حالات اور کلچر کا تجزیہ بھی پیش کرتی ہے۔ اُن کے تجزیے کی جامعیت جاننے کے لیے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ''برازیل چند مربع میل پر محیط کوئی چھوٹا سا غریب ملک نہیں کہ سُرخی اور غازہ لگا کر دلہن کی طرح سجا دیا جائے۔ جنوبی امریکہ کا یہ سب سے بڑا ملک ہے۔ رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے دنیا میں پانچویں نمبر پر ہے۔ صرف روس، چین، ہندوستان، امریکہ اور کینیڈا اس سے بڑے ہیں۔ ۲۰۰۸عیسوی میں اس کی آبادی کا اندازہ ۱۹۰ملین (۱۹کروڑ) تھا۔ قدرتی وسائل سے مالامال ہونے کے باوجود وہ مقروض تھا۔ کئی دہائیوں تک جنوبی امریکہ کا سب سے بڑا قرض دار ملک رہا تھا۔ اقتصادی حالت اِس قدر خراب تھی کہ ۲۰۰۲ء کے وسط میں آئی ایم ایف (IMF) سے ۳۰ء۴ بلین ڈالر کی امداد لینا پڑی تھی۔ سرکار نے مگر کمال یہ کیا کہ معاہدہ کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ہی مارچ ۲۰۰۵ء میں قرض کی پائی پائی لوٹا دی۔ قدرت کا کرم ہوا تیل بھی نکل آیا۔ عالمی منڈی میں اجناس کے بھاؤ بڑھ گئے۔ ترقی کے امکانات اتنے درخشاں ہوئے کہ عالمی سرمایہ کاروں نے برازیل کا رُخ کر لیا۔ زرمبادلہ کی ریل پیل ہوئی۔ جنوری ۲۰۰۸ء تک وہ زرمبادلہ کو ترسنے والے غریب ملکوں کا حاجت روا بن گیا۔''

ویسے تو یہ کتاب ہر طبقہ خیال اور ہر عمر کے قاری کے لیے مفید اور نفع بخش ہے لیکن نوجوان نسل اِس سے خصوصی استفادہ کر سکتی ہے۔ نوجوان اِس کتاب کے مطالعے سے خوش ہوں گے اور ایک ولولہ تازہ پائیں گے جو ان کی زندگیوں کو نئی جہت دے گا۔ یہ کتاب شہرت اور کامیابی کی منزل تک پہنچنے کے لیے رہنمائی کرسکتی ہے۔

کتاب کا کاغذ اور طباعت نہایت عمدہ ہے۔ پہلی نظر ڈالتے ہی کتاب پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور جب ایک دفعہ ورق گردانی شروع کر دی جائے تو کتاب کو ختم کیے بغیر چین نہیں آتا۔ یہ کتاب ۲۰۱۲ء میں Peace Publication Lahore نے شائع کی ہے۔ کتاب کی قیمت بھی مناسب ہے۔ کتابت کی معمولی اغلاط ہیں۔